قسط نمبر ۱

حکمتِ قرآن

حمید الدین فراہیؒ
ترجمہ: خالد مسعود

(استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی ایک اہم غیر مطبوعہ تصنیف حکمۃ القرآن کا ترجمہ 'تدبر' لاہور کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ)

اس سے قبل کہ ہم یہ بتائیں کہ قرآن حکیم کی وہ حکمت کیا ہے جس سے اس نے ہمیں روشناس کرایا ہے، ہم حکمت کی تعریف میں سلف کے اقوال کسی قدر وضاحت کرتے ہوئے بیان کریں گے کہ ان سے ان کی کیا مراد ہے۔ مالک اور ابو رزین کے نزدیک حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ اور وہ فہم ہے جو ایک مستقل صفت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور ہوتا ہے۔ مجاہد نے حکمت سے مراد قرآن مجید کے فہم کو لیا ہے۔ مقاتل کی رائے میں علم اور اس کے مطابق عمل کا نام حکمت ہے لہٰذا جب تک علم اور عمل کسی آدمی میں جمع نہ ہو جائیں وہ حکیم نہیں ہو سکتا۔ مقاتل کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ حکمت کا علم رکھنے کے بعد اس کے مطابق عمل ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک حکمت کے ایک عالم کا عمل اپنے علم کے مطابق نہ ہو تو وہ حکیم نہیں ہوتا۔ ابن زید کے نزدیک ہر وہ بات جو آدمی کو تنبیہ کرے اور کسی نیکی کی طرف بلائے یا کسی برے کام سے روکے وہ حکمت کی بات ہے۔ ابو جعفر محمد بن یعقوب ہر اس صحیح بات کو حکمت قرار دیتے ہیں جس سے صحیح فعل پیدا ہو۔ یحییٰ بن معاذ کی رائے میں حکمت اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس کو وہ عارفین کے دلوں کی طرف بھیجتا ہے تاکہ ان پر دنیا کی سرگرمی کے مضر اثرات کا ازالہ کرے۔

حکمت کے مقامات:

اللہ کی توفیق سے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام اقوال اصل میں ایک ہی حقیقت کو اجاگر کرتے

ہیں۔

عباراتنا شتیٰ وحسنک واحد وکل الیٰ ذاک الجمال یشیر

(تیرا حسن ایک ہی حقیقت ہے پر اس کے لیے ہماری تعبیریں الگ الگ ہیں۔ اصل میں ہر تعبیر اسی جمال کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔)

یہ جاننا چاہیئے کہ حکمت کے کئی مقامات ہیں۔ پہلا مقام دل ہے جس میں سے حکمت، بصیرت اور توفیق کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ مالک، ابو رزین، مجاہد اور یحییٰ بن معاذ نے حکمت سے یہی مراد لیا ہے۔ مجاہد نے حکمت کے مفہوم میں قرآن مجید کے فہم کو اس لیے خاص کر دیا ہے کہ وہ حکمت کی بنیاد ہے۔ جس نے قرآن کو سمجھ لیا وہ حکمت کے خزانے سے واقف ہو گیا۔ ہو سکتا ہے مجاہد کے پیش نظر آیت 'یعلمھم الکتاب والحکمۃ' کی یہ تاویل رہی ہو کہ کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد اس کا فہم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مجاہد نے یہ مفہوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں بیان کیا ہو اوتیت القرآن ومثلہ معہٗ بل اکثر (مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ اور بھی، اسی کے مانند بلکہ اس سے زیادہ) حکمت سے فہم قرآن کو مراد لینا اس مفہوم سے زیادہ قرین قیاس ہے جس مفہوم کی طرف امام شافعی یا دوسرے اصحاب حدیث گئے ہیں۔ ان کے نزدیک کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ اسی لیے انہوں نے حدیث کا مفہوم یہ سمجھا کہ سنت قرآن کی مانند بلکہ اس سے زیادہ ہے۔ وہ قرآن سے قریب تر سنت سے زیادہ کسی اور چیز کو نہ جانتے تھے۔ حکمت کا دوسرا مقام کلام میں ہے۔ اسی لیے حکمت کا کلمہ وہ ہے جو حق ہوا صحیح ہو یا نصیحت ہو۔ ابن زید اور ابو جعفر محمد بن یعقوب کے قول کا مفہوم یہی ہے۔ حکمت کا تیسرا مقام علم و عمل میں بھی ہے اور یہ دونوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ مقاتل نے حکمت کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ قرآن مجید نے لفظ حکمت کا اطلاق ان تمام پہلوؤں پر کیا ہے۔ ہر جگہ قرینہ یہ بتاتا ہے کہ ان میں سے کونسا پہلو اس جگہ مراد ہے۔ دل، کلام یا علم و عمل ہر مقام میں حکمت علمی یا عملی دونوں پہلوؤں سے مراد ہوتی ہے بلکہ غور کرنے سے اس کے مزید پہلو بھی سامنے آتے ہیں البتہ حکمت بمعنی بصیرت و توفیق اصل ہوتی ہے جبکہ باقی چیزیں اس کے آثار اور مظاہر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حکمت کی خصوصیات:

علماء کے مذکورہ اقوال کے بعض پہلو اشارات کی نوعیت کے بھی ہیں جن پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ حکمت خواہ نصیحت کے انداز کی ہو یا حق بات کے طور پر ہو یہ ضروری ہے کہ وہ بالکل واضح ہو اور کسی دلیل کی محتاج نہ ہو۔ ثانیاً، قلب کو جب حکمت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو رفعت عطا کرتی ہے۔ ایک حکیم نفس کی بندگی سے بالاتر ہو کر دنیا کے مضر اثرات سے اپنے دل کو پاک کر لیتا ہے۔ لہٰذا وہ خدا کو پہچاننے والا، مصیبت پر صبر کرنے والا، نعمت پر شکر ادا کرنے والا، بردبار، درگزر کرنے والا، سخی، شریف، دردمند اور خدا کی جانب جھکنے والا بن جاتا ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ طبیعت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ ثالثاً، حکمت ان علوم کے مجموعہ کا نام نہیں جو سیکھے جاتے ہیں بلکہ یہ ایک نور ہے جو شے اس کے قریب آئے اس کو یہ روشن کر دیتی ہے۔ اس میں خیر و شر یا خوبی و خرابی کے تمام پہلو واضح کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ ایک حالت اور صفت ہے۔ چونکہ علم کا سروکار بھی انہی امور سے ہوتا ہے اس لیے کبھی علم کا لفظ بھی اس معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے۔ رابعاً، حکمت درحقیقت روح اور قوت ہے۔ یہ ان علوم کی مانند نہیں جو عمل سے عاری ہوتے ہیں، بلکہ یہ علم و عمل کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کی مثال سورج اور اس کی روشنی یا آگ اور اس کی حرارت سے سمجھی جا سکتی ہے۔ خامساً، حکمت کا تعلق ان امور سے ہے جو نیک بختی اور نفس کی پاکیزگی کا وسیلہ ہیں۔ وہ علوم جن کا حاصل دنیوی زندگی کے فائدے ہیں مثلاً دستکاریاں، فنون یا محض ایسی واقفیت جس کے ساتھ تزکیۂ نفس اور نیک اعمال کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، حکمت اور ایمان کے دائرے سے خارج ہیں۔ سادساً، بنیادی نیکیوں مثلاً سخاوت، عدل، پاک دامنی وغیرہ میں چونکہ حکمت کا عمل دخل زیادہ ہے اس لیے ایک حکیم ان کو ایک واضح اصول کے طور پر جانتا ہے، اس لیے جب اس سے کوئی سوال کیا جائے یا اسے ان پر گفتگو کی ضرورت محسوس ہو تو وہ احکام کی جزئیات میں انہی اصولوں کی بنیاد پر اور حکمت کی مدد سے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بنیادی نیکیاں بھی حکمت کہلاتی ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں انجیل کو حکمت کہا گیا ہے اور اسی طرح کی بنیادی نیکیاں قرآن مجید میں جہاں بیان ہوئی ہیں اس کے آخر

میں یہ آیت آئی ہے:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰىٓ اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل: ۳۹)	یہ احکام اس حکمت کا حصہ ہیں جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کی ہے۔

اسی طرح حضرت لقمان کے نصائح بیان کرنے سے پہلے فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (لقمٰن: ۱۲)	بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی۔

سابعاً، دل کے اندر حکمت کوئی بہت ہی لمبی چوڑی، باریک اور گہری چیز نہیں بلکہ نہایت ہلکی سی چیز ہوتی ہے اس لیے حکیم کو اس شخص کی حالت پر تعجب ہوتا ہے جس کو یہ حاصل نہیں ہوتی۔ اس حقیقت کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ ایک آدمی نماز پڑھتا ہے۔ اس کی زبان پر ذکر کے کلمات جاری ہوتے ہیں لیکن اپنے دل میں نہ وہ خشوع پاتا ہے نہ خدا کی یاد، تو ایک حکیم آدمی کو اس پر تعجب ہوتا ہے، یہ بات اسے نہایت سنگین نظر آتی ہے کہ ایک بندہ کھڑا تو ہوا اپنے آقا کے سامنے، وہ زبان سے اس سے باتیں بھی کر رہا ہو اور سرگوشیاں بھی، وہ اس کی آیات کی تلاوت بھی کر رہا ہو لیکن اس کے باوجود اس کا خیال ہر وادی میں بھٹک رہا ہو۔ پھر وہ یہی حرکت ہر روز کرے اور اسی حالت میں ناتوانی اور بڑھاپے کو پہنچ جائے۔ اسی طرح ایک شخص ہو تو خطیب، واعظ اور نصیحت کرنے والا لیکن وہ زبان سے وہ باتیں نکالے جن کا اس کے اپنے دل میں کوئی اثر نہ ہو۔ حکمت کی بصیرت کوئی دور کی چیز نہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے کسی بڑی گہرائی، سوچ بچار اور علم کی ضرورت ہو مگر اس کے ساتھ ہی یہ تمام لوگوں میں لٹائی نہیں جاتی۔ اس کے مستحق بس اللہ کے وہ منتخب بندے ہیں جن کی خصوصیات اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ آیات میں بیان کی ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)	وہ جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے اور جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر کا خزانہ ملا۔

لہٰذا اگر کوئی شخص چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ حکمت تمام واضح چیزوں سے واضح تر اور بدیہی ہے۔ دل پر پردہ پڑ جائے تو آدمی کو اندھا بنا دیتا ہے۔ اس صورت میں نور کا کوئی قصور نہ ہوگا

بلکہ قصور نگاہ کا ہوگا۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے احوال کئی آیات میں مختلف اسالیب سے واضح فرمائے ہیں۔ مثلاً:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن	کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ
تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ	دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے
(حج: ۴۶)	اندر ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیات کو نہیں دیکھتے تو ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ یہ ان کے دل ہوتے ہیں جو اندھے ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہؐ کے فرائض میں تعلیم حکمت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں حکمت سے روشناس فرمایا ہے، اس کی عظیم قدر و منزلت بتائی ہے اور اس حقیقت کے بیان میں متعدد پہلوؤں سے رہنمائی دی ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے انعاموں میں سے ایک ہے۔ اس ضمن میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے چار مقامات پر جن چار صفات سے متصف کیا ہے ان میں آپ کی تعلیم کی انتہا تعلیم حکمت کو قرار دیا ہے۔ پہلا مقام وہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں بیان فرمائی ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ	اور اے ہمارے رب تو ان میں انہی میں
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ	سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم
إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ	دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب
(البقرة: ۱۲۹)	اور حکمت والا ہے۔

دوسرے مقام پر اس دعا کی قبولیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ	چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجو تم
يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ	ہی میں سے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ	سناتا اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں

یُعَلِّمُکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ	کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں
(البقرۃ: ۱۵۱)	ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

تیسرے مقام پر مومنین پر اپنا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ	یہ اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا ہے کہ ان
بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ	میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو
یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ	ان کو اس کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک
وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ	کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم
کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ	دیتا ہے بے شک یہ اس سے پہلے کھلی ہوئی
(آل عمران: ۱۶۴)	گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

چوتھے مقام پر لوگوں کو اس بات پر کہ انہوں نے اپنے رب کے عظیم فضل کی قدر نہیں پہچانی، متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا	اسی نے اٹھایا ہے امیوں میں سے ایک
مِّنْہُمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ	رسول انہی میں سے، جو ان کو اس کی آیتیں
وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ	پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے
وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ	اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک
وَّاٰخَرِیْنَ مِنْہُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ	یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور انہی میں سے
وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ذٰلِکَ فَضْلُ	ان دوسروں میں بھی جو ابھی ان میں شامل نہیں اور
اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ	اللہ غالب و حکیم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ بخشتا
الْعَظِیْمِ (جمعہ: ۲-۴)	ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

یہ چار مقامات اگرچہ تین مختلف سورتوں میں آئے ہیں لیکن ان کی عبارت ایک جیسی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تزکیہ کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے آخر میں ہوا ہے جبکہ باقی مواقع پر وہ پہلے ہے۔ اس تقدیم و تاخیر کا راز کیا ہے۔ اس کو تو ہم کسی مستقل فصل میں بیان کریں گے لیکن ان چار صفات کا تکرار ان کی زبردست اہمیت کی دلیل اور غور و فکر کا متقاضی ہے۔

جہاں تک تلاوتِ آیات کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات نازل فرمائیں، جن کا آپ کو حکم دیا اور جن پر آپ کو اور آپ کی امت کو ابھارا، آپ ان کو آگے پہنچاتے۔ چنانچہ آپ کی امت کی مانند کلام اللہ کی تلاوت سے شغف رکھنے والی کوئی امت پہلے نہیں گزری۔ رہا تزکیہ تو یہ دین کا مقصود ہے۔ اس کی بنیاد توحید ہے اور توحید کا کمال اطاعت میں اخلاص اور خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے مال وجان کی قربانی ہے۔ یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں کہ نفوس کے تزکیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک پہنچے آپ سے پہلے کوئی دوسرا نبی وہاں تک نہیں پہنچا۔ آنحضرتؐ کی تیسری صفت تعلیم کتاب سے ان احکامِ شریعت کی تعلیم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری تفصیل سے اپنے اصحاب پر واضح فرمایا، ان کے اصول وفروع کی طرف خود بھی رہنمائی دی اور اپنے فقہاء صحابہ کو بھی اس پر مامور فرمایا۔ چنانچہ وہ امت کے لیے نمونہ بن گئے۔ رہی حکمت تو آپ نے عقلوں کی تہذیب اور نفوس کے تزکیہ کے ذریعہ اس کی راہ بتلائی لیکن کسی کو حکمت منتقل کرنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی بکثرت مشق کرائی جائے، فہم کے لیے روشنی مہیا کی جائے اور کتابِ الٰہی میں غور وفکر پر برابر ابھارا جائے کیونکہ وہی حکمت کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے اگرچہ بکثرت لوگ حکمت سے فیض یاب ہوئے لیکن اس کو آگے منتقل کرنے میں انہوں نے مشکل محسوس کی چنانچہ وہ اسے اس طرح منتقل نہ کر سکے جس طرح انہوں نے احکامِ شریعت کو منتقل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امت میں حکمت جاننے والے کم ہوئے اور اس کے حصول کا ذریعہ بھی مخفی رہ گیا۔

حکمت کے دوسرے نام :

جس طرح حکمت ایک بنیادی وصف ہے۔ جس کی کئی شاخیں اور کئی پہلو ہیں اور ان سب پر لفظ حکمت کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح حکمت کے کئی دوسرے نام بھی ہیں۔ جو شخص حکمت کے مفہوم کو سمجھتا ہوا سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں یہ نام استعمال کر کے حکمت کو مراد لیا گیا ہے۔ ناموں میں سے بعض نام یہ ہیں: ایمان، علم، حق، سکینت، روح، ہدیٰ، بصیرت، نور، امانت، حظِ عظیم اور خیرِ کثیر۔

ایمان اصل حکمت ہے :

جس طرح لفظ حکمت نام ہے علم، حالت اور عمل کے مجموعے کا اسی طرح ایمان بھی ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ حکمت کی بنیاد اور جڑ ربوبیت پر ایمان ہے کیونکہ ایمان ہی کے نتیجہ میں جب ایک بندۂ مومن خداوند تعالیٰ کی عبودیت کی طرف اپنے نفس کو مائل کرتا ہے تو اس سے اس کی ظلمت دُور ہو جاتی ہے اور محبت الٰہی کا نور اس کو ڈھانپ لیتا ہے پھر بندہ اپنے رب کی رضا کے راستے کی جستجو کرتا ہے تو اسے تقویٰ حاصل ہوتا ہے تب وہ نیکی کے راستوں کو اختیار کرتا ہے۔ مخلوق کو وہ اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ایک بھائی دوسرے بھائی کو دیکھتا ہے اور یہ نگاہ شفقت و مہربانی کی نگاہ ہوتی ہے۔ اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے۔ بندہ کو محبت الٰہی کے نتیجہ میں اطاعت اور فرمانبرداری حاصل ہوتی ہے اور فسا د اور قطع رحمی جیسی برائیاں اس سے دُور ہو جاتی ہیں۔ اسی چیز کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ	اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لاتے
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ	ہیں۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف
كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ	لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے
يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ	کارساز طاغوت بنتے ہیں، وہ ان کو روشنی
(البقرۃ: ۲۵۷)	سے تاریکیوں کی طرف دھکیلتے ہیں۔

قرآن مجید نے کلمہ توحید کی تمثیل بھی بیان فرمائی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توحید کی جڑیں فطرت انسانی میں ہیں اور وہ تمام بھلائیوں اور نیکیوں کی طرف رہنمائی دیتی ہے۔ فرمایا :

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً	کیا تم نے غور نہیں کیا، کس طرح تمثیل بیان
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا	فرمائی ہے اللہ نے کلمہ طیبہ کی۔ وہ ایک شجرہ طیبہ
ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ	کے مانند ہے جس کی جڑ زمین میں اتری ہوئی ہے
اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ	اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ
رَبِّهَا	اپنا پھل ہر فصل میں اپنے رب کے حکم سے دیتا

رہتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۴)

ربیع بن انس کا قول ہے کہ آیت میں اصل ثابت سے مراد اللہ واحد کے لیے اخلاص اور اس کے شریک ٹھہرائے بغیر اس کی خالص عبادت ہے۔ ٹہنیوں سے نیکیاں ہیں۔ چنانچہ بندہ مومن کے اعمال دن کے آغاز اور انجام پر اوپر جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ شجرہ طیبہ اپنے رب کی توفیق سے ہر آن اپنا پھل دیتا ہے۔ چنانچہ چار اعمال جن کو اگر بندہ جمع کر لے تو پھر فتنے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ ہیں: اللہ واحد کے لیے اخلاص، اس کی ایسی عبادت جس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا گیا ہو، اس کی خشیت اور محبت اور اس کی یاد۔ اس قول میں فتنوں سے نقصان نہ پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندہ ایمان میں نہایت پختہ ہو جاتا ہے تو اس کے قدم کسی آزمائش یا دشمنوں کے غلبہ کے دوران ڈگمگاتے نہیں ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تخلیق ایک حرکت کی مظہر ہے۔ ہر چیز کا عمل اس کی حرکت ہوتی ہے۔ ایک عمل دل کا ہے، ایک عقل کا اور ایک حواس کا۔ ایک حرکت سے دوسری حرکت پیدا ہوتی ہے چنانچہ دل میں جو حرکت پیدا ہوتی ہے وہ فکر میں بھی ایک حرکت پیدا کرتی ہے۔ فکر کی یہ حرکت اعضاء و جوارح کے مراکز کو متحرک کر دیتی ہے اور یہ مرکز بالآخر اعضاء و جوارح کو تحریک دیتے ہیں۔ جب یہ سب تحریکیں متفق ہو جاتی ہیں تو عمل کی قوتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ موافقت اگر مستقل پائی جائے تو اصل (جڑ) اور فرع (ٹہنی) مضبوط ہوتی ہیں۔ دل کے اندر ایمان کے جڑ پکڑنے کی شکل ٹھیک یہی ہوتی ہے۔ ایمان کے اس پودے کو عمل صالح سیراب کرتا اور اس کو نشوونما دیتا ہے۔ اس مضمون کی طرف اشارہ آیت:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ	اس کی طرف صعود کرتا ہے پاکیزہ کلمہ اور
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ	عمل صالح اس کلمہ کو سہارا دیتا ہے۔

(فاطر: ۱۰)

میں ہے۔ اوپر والی آیت میں الفاظ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (اس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں) میں اشارہ قربِ الٰہی کی طرف ہے۔ بندہ اس فرع کی بدولت رب کی طرف بلند ہوتا ہے۔ جس بندے نے اپنا دین اللہ واحد کے لیے خالص کر لیا اور اس کی وحدانیت میں ہر قسم

کا شک دل سے نکال دیا، لازم ہے کہ وہ پورے اخلاص سے اس کی بندگی کرے۔ بندگی میں خلوص اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک کہ بندہ خدا کی خشیت نہ رکھتا ہو اور اس کا ڈرنا خدا کے ڈر کے تابع نہ ہو۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ بندے کی رغبت اور محبت خدا کے لیے ہو۔ ذکر خدا کی محبت اور خشیت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ بندہ اس چیز کو زیادہ یاد رکھتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہو یا جس سے ڈرتا ہو۔ ذکر گویا دل میں چھپی ہوئی محبت یا خشیت سے آگاہ کرنے والی چیز ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'انہ لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ' (میرے دل پر حجاب آجاتا ہے تو میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں)۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ حکمت اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا معلم بنایا گیا ہے۔ کیونکہ آپ اس کے تقسیم کنندہ اور ذریعہ تھے، جیسا کہ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ	تم جن کو چاہو، ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ
لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ	ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

(قصص: ۵۶)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'انما انا قاسم والمعطی ھو اللہ' (میں تو محض تقسیم کنندہ ہوں، عطا کرنے والا تو صرف اللہ ہے) قرآن مجید نے دوسری جگہ فرمایا:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ	اور کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان
اللّٰهِ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ	لاسکے مگر اللہ کے اذن سے۔ اور وہ گندگی لاد
لَا یَعْقِلُوْنَ	دیا کرتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام
(یونس: ۱۰۰)	نہیں لیتے۔

اہلِ حکمت کی قسمیں:

جس طرح بعض حکیم ایسے ہوتے ہیں جن کو نہ صرف فہم حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کی رائے بھی درست ہوتی ہے، اسی طرح بعض کلام نصیحت کے کلمات اور اعلیٰ اخلاق دونوں کو سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض حکیم اس خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں کو حکمت کی تعلیم اور صحیح سوچ اور سچی بات

کی طرف رہنمائی دیتے ہیں، اسی طرح بعض علوم کی نوعیت بھی یہ ہے کہ وہ فہم اور استدلال کے اصول سے آگاہ کرتے، حقیقی معارف کی راہ دکھاتے اور وہ طریقہ بتاتے ہیں جس سے بندہ طبیعت کی آلودگیوں سے پاکی حاصل کرسکتا ہے۔

جس طرح ہر تندرست آدمی علم طب کا جاننے والا نہیں ہوتا اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ ہر صاحب حکمت آدمی حکمت کا واقعی علم بھی رکھتا ہو۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر صاحب علم اپنے علم سے دوسرے شخص کو واقف کرسکے کیونکہ تعلیم ایک مشکل کام ہے اور طویل مشغولیت چاہتا ہے لہٰذا حکیم کبھی تو اپنی ذاتی مصروفیت کے باعث حکمت کی تعلیم پر قادر نہیں ہوسکتا اور کبھی یہ مشکل پیش آتی ہے کہ مطالب کو طالب علم کے لیے وہ پوری وضاحت اور خوبیِ بیان کے ساتھ ادا نہیں کرپاتا۔

اس فرق کے علاوہ کہ جو حکمت کی تعلیم دینے والے حکیم اور تعلیم نہ دینے والے حکیم کے درمیان ہے یہ بات بھی نہایت تعجب خیز ہے کہ بہت سارے لوگ جو حکمت کی تعلیم دیتے ہیں خود حکیم نہیں ہوتے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے شہد کی بوتل میں شہد کی مٹھاس نہیں ہوتی یا کتاب کا ورق اس چیز کا خود عالم نہیں ہوتا جو اس میں لکھی ہوتی ہے لہٰذا اس طرح کا استاد حکیم کے اقوال کا ناقل یا کتابوں کا بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہود کے علماء کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ انہیں تورات اٹھوائی گئی لیکن انہوں نے اس کو اٹھا کر نہیں دیا۔ بالکل اسی طرح حکمت کی تعلیم دینے والے یہ لوگ صرف کلمات حکمت کی باتیں سنانے والے ہوتے ہیں اور اس کام کو سیکھنا کچھ مشکل امر نہیں۔

حکمت کے حصول کے ذرائع :

جہاں تک اس حکمت کا تعلق ہے جو بصیرت اور فہم پیدا کرتی ہے تو حقیقی حکمت وہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائے خاص ہوتی ہے جس کے سیکھنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔ البتہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک ضد اور اس کے لیے رکاوٹ بنائی ہے اسی طرح اس نے ہر چیز کے لیے ایک ذریعہ اور راستہ بھی پیدا کیا ہے۔ پس جو شخص حکمت کا طالب ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے ذرائع کو اختیار کرے، اس کے دروازوں میں گھس جائے، اس کے حصول کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اسے مانگے، اس کے لیے وہ اس کے حضور

سائل بن کر کھڑا رہے اور اس کی تسبیح کرتا ہوا اس کے آگے سجدہ ریز ہو۔ وہ یقین رکھے کہ حکمت چونکہ خدا کی جانب سے ایک نور ہے، اس لیے خدا کے سوا کوئی اسے عطا نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے جس میں وہ تمام صفات اور اعمال بتائے ہیں جن کے ذریعے سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔ ہم ان میں سے بنیادی چیزیں یہاں بیان کرتے ہیں:

پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی توجہ ہے جو خشیت، محبت اور عاجزی کے ساتھ ہو۔ یہ ایک تو نصف شب کی نماز سے حاصل ہوتی ہے جب تمام انسان سو رہے ہوتے ہیں، دوسرے یہ ٹھیر ٹھیر کر اور غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت سے ہوتی ہے۔ دوسری چیز لوگوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک اور ان کی خیر خواہی ہے۔ یہ دو چیزیں بہت سی اچھی صفات پیدا کرنے کا موجب بنتی ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حکمت بھی نازل ہوتی ہے مگر اسی قدر جتنی وہ دینا چاہے اور جیسی وہ دینا چاہے لیکن یہ ہوتی حقیقی حکمت ہے نہ کہ اس کی نقل یا اس کا یاد کیا ہوا کوئی حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بنیادوں کی طرف رہنمائی دی ہے۔ سورہ بقرہ میں انفاق کی ترغیب، اس کی کچھ تمثیلات کے بیان اور انفاق کو خدا کے فضل اور نور کا ذریعہ بتانے کے بعد فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ	وہ حکمت عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور
يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا	جس کو حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر کا خزانہ
كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ	دے دیا گیا اور یاد دہانی تو بس اہلِ عقل
(بقرہ - ۲۶۹)	ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو حکمت پانے والوں کی ضد ہیں اور بتایا ہے کہ وہ کیسے اس آدمی کی مانند ہوتے ہیں جس کو شیطان کی چھوت نے پاگل بنا دیا ہو۔ یہ ایک نہایت واضح بات ہے کیونکہ رب کی طرف توجہ ہی سے نور کے دروازے کھلتے ہیں اور بندوں کے ساتھ ہمدردی اور شفقت وہ چیز ہے جو دل کے پردے چاک کرتی ہے اور اس کو کشادگی عطا کرتی ہے۔

قرآن مجید نے یہ دونوں بنیادی چیزیں اس مقام پر بھی بیان فرمائی ہے جہاں شراب اور جوئے کی نجاست کا ذکر کیا ہے۔ ان کے نجس ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ شیطان شراب اور

جوئے کے ذریعے لوگوں میں دشمنی ڈالتا ہے اور ان کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر اور انسانوں کا باہمی ہمدردی کا تعلق سارے معاملہ کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے، جن کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کے لیے خاص کر دیا تھا، یہی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ذکر اللہ اور رحم دونوں کی شرائط اور آداب ہیں جن کا خیال کم ہی لوگ رکھتے ہیں اور وہ لوگ تو بے حد کم ہیں جو ان دونوں صفتوں کو جمع کرتے ہوں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ذکر اللہ کا خیال رکھتا ہے وہ انسانوں کے ساتھ محبت سے غافل ہو جاتا ہے اور جو انسانوں کا خیال رکھتا ہے وہ ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی نہایت تعجب خیز ہے کہ جو شخص نماز کے آداب و شرائط کا زیادہ خیال رکھتا ہے۔ وہی اس کی حقیقت سے غافل بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں جو شخص ظاہر کی فکر میں لگ جاتا ہے وہ باطن کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ نماز کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی، اس کا خوف، اس کی محبت اور اس سے تسکین پانا ہے۔ یہ تمام جذبات دل کو نرم کیے بغیر نہیں رہتے۔ پس ایسے آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ خود رحم دل بھی ہو اور یہ بات بھی یاد رکھے کہ وہ ایک رحیم رب سے سوال کرتا ہے جو دشمنوں کے ساتھ دشمنی بھی رکھتا ہے لیکن شیطان آدمی پر وہاں سے حملہ آور ہوتا ہے جہاں سے وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہا ہوتا ہے۔

دوسری طرف دیکھیئے تو بندوں کے ساتھ فیاضی اور شفقت کرنے والے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے ایسے لوگ کم ہی نماز ادا کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نمازوں سے بے نیاز ہے، پس وہ اپنے بندوں کے ساتھ رحمت و شفقت کو پسند کرتا ہے۔ ایسے لوگ بھی رحم اور فیاضی کی حقیقت سے غافل ہیں۔ کیونکہ رحم کا باطن اللہ کی خشیت ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ	اور وہ لوگ جو دیتے ہیں تو جو کچھ دیتے ہیں
وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ	اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے
(مومنون: ۶۰)	ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔

قرآن مجید کے بکثرت شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی اور بندوں پر شفقت دونوں ایک ہی اصل سے پھوٹتے ہیں۔ پس جو بندہ عاجزی اور خلوص کے ساتھ خدا کی طرف اور شفقت و

ہمدردی کے ساتھ اس کے بندوں کی طرف توجہ کرتا ہے وہ وفاداری اور خداترسی کے دروازے میں داخل ہوگیا اور اس نے اپنے رب کو راضی کرلیا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید ہے کہ وہ اس کے دل کو روشن کر دے گا، اسے اپنی خوشنودی کے راستوں کی ہدایت دے گا اور اس کی نظروں میں وہ چیزیں محبوب بنا دے گا جو اس کو پسند ہیں اور یہی حکمت کی حقیقت ہے۔ باقی معاملات کی اصلیت کا علم تو خداوند تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

حکمت پانے کے لیے اہلیت ضروری ہے:

اور آیت یوتی الحکمۃ..... الخ میں یہ جو فرمایا کہ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (انہیں نصیحت پاتے مگر اہلِ عقل) تو اس سے مراد یہ ہے کہ جو اہل عقل نہیں ہیں وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے کہ حکمت کیا ہے۔ اگر وہ حکمت کو جانتے ہوتے تو انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ حکمت کے اہل کون ہیں اور یہ کہ حکمت اہل عقل کے لیے خاص ہے۔ اسی طرح وہ اس حقیقت کو بھی نہیں سمجھتے کہ حکمت خیر کثیر کا ایک خزانہ ہے۔

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ حکمت کی اصل ایمان ہے اور ہر بندۂ مومن دوسرے لوگوں کی نسبت سے زیادہ حکمت کا حامل ہوتا ہے۔ البتہ نام کا اطلاق عادت کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ پس حکیم وہ شخص کہلائے گا جس کو حکمت کا وافر حصہ ملا ہو۔ یہ بالکل اس طرح ہے جس طرح کسی شخص کو اس وقت تک عالم نہیں کہا جاتا جب تک وہ علم کا وافر حصہ نہ رکھتا ہو۔

قرآن مجید نے یہ صراحت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اور حکمت کی تعلیم دی تھی۔ لہٰذا اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ علمائے صحابہؓ نے جس طرح قرآن مجید حاصل کیا اسی طرح انہوں نے حضورؐ سے حکمت بھی سیکھی۔ لیکن ایسے صحابہؓ کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ بعد میں تعداد اور کم ہوتی گئی۔ جوں جوں امت زمانہ نبوت سے دور ہوتی گئی، اسی اعتبار سے حجابات حکمت کے نور کو ڈھانپ دیتے رہے۔ آئیے دیکھیں کہ حکمت کیسے اٹھالی گئی۔

صحابہؓ کرام کے دور کے بعد علم میں مشغولیت کے لحاظ سے امت تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ پہلا گروہ ان لوگوں کا تھا جو قرآن مجید پر غور و فکر، اس کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول ہوئے۔ ان کو اس سے ہٹانے والی کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ علماء میں یہ لوگ حکمت کا زیادہ حصہ پاسکے اور اس کی حقیقت

کو بھی سب سے زیادہ سمجھنے والے ہوئے۔ ان کے درمیان صلاحیتوں کے فرق کے لحاظ سے فرق موجود رہا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حدیث کی روایت میں مشغول ہوئے ان کی مصروفیت آنحضرتؐ کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار کو جمع کرنے اور ان پر تنقید کرنے تک محدود رہی۔ انہوں نے اس میدان میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی یہاں تک کہ انہوں نے ہر وہ دروازہ بند کر دیا جس کے راستے سے بدعت یا تحریف اسلام میں گھس سکتی تھی جس کا تجربہ سابق ملتوں کو ماضی میں ہو چکا تھا۔ دین میں ان لوگوں کے عظیم مرتبہ اور ان کے تقویٰ (جو حکمت ہی کا ایک دروازہ ہے) کے باوجود ان کی توجہ حکمت کے دوسرے دروازوں کی طرف کم رہی، لہٰذا ان پر حکمت کا مفہوم گڈمڈ ہو گیا۔ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ آیت یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (رسول ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے) میں حکمت سے مراد علم حدیث ہے لہٰذا انہوں نے اس پر پوری توجہ صرف کر دی۔ یہ بات شاید امت کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی کیونکہ ان علماء نے علم حدیث کی طلب میں جب تمام قوت لگا دی تو وہ اس میدان میں اس بلند مقام تک پہنچے جس کے عُشرِ عشیر تک بھی ان سے پہلے یا بعد کی کوئی امت نہیں پہنچ سکی۔ اگرچہ یہ لوگ اس اصل حکمت کے حصول کے درپے نہ ہوئے جس کی رہنمائی قرآن میں ہے، لیکن انہوں نے فلسفہ سے اجتناب کیا جو حکمتِ الٰہیہ کی ٹھیک ضد ہے۔ لہٰذا ان علماء کو بھی حکمت کا ایک حصہ مل گیا اگرچہ انہیں یہ شعور نہیں ہوا کہ یہ حکمت آئی کہاں سے۔ ان علماء کے طرزِ عمل میں ایک دوسری مصلحت بھی تھی۔ چونکہ انہوں نے رائے اور قیاس کا انکار کیا۔ اس لیے حدیث کے جمع اور تنقید کے کام میں یہ تہمت سے بچے رہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جنہوں نے یونان کے فلسفہ وکلام میں دلچسپی لی اور گمان کر لیا کہ یہ وہ حکمت ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ یہ لوگ حکمتِ الٰہیہ سے بالکل فیض یاب نہیں ہو سکے۔

شکرِ نعمت کا نتیجہ ۔ حکمت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ غنی (بے نیاز) ہونے کے ساتھ ساتھ حمید (قابلِ ستائش) بھی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی کو فقر اور احتیاج لاحق ہو اور پھر بھی وہ ستائش کے کمال کو پہنچا ہوا ہو۔ خداوند تعالیٰ نہ ہی کسی ذاتی نفع کے لیے کوئی فعل کرتا ہے اور نہ ہی بغیر فعل کے رہتا ہے کیونکہ بیکار تو اس سے بھی گیا گزرا

ہوتا ہے جو ذاتی منفعت کے لیے کام کرنے والا ہو۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہر فعل صرف شفقت و رحمت کے باعث ہوتا ہے اس لیے وہ غنی بھی ہے اور حمید بھی۔ وہ اپنے استغناء اور کمال کے سبب سے بھی حمید ہے اور اپنی شفقت کے لحاظ سے بھی حمید ہے ۔

شکرِ نعمت سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے :

فعل تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے انعام کا پہلا اور کامل ترین اظہار ہوا۔ اس کے بعد اس نے خلق کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا جس سے خلق پر یہ واجب ہو گیا کہ وہ خدا کی حمد کرے اور اس کا شکر بجالائے۔ بے حد و حساب نعمت و فضل سے نوازنے والی رحیم ہستی، جس نے پہلے نعمت عطا فرمائی، کیسے ممکن ہے کہ بندوں کے شکر ادا کرنے کے نتیجہ میں اپنی نعمتوں میں اضافہ نہ کرے۔ اس لیے فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ — اگر تم شکرگزار رہے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا۔

(ابراہیم : ۷)

اللہ تعالیٰ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ وہ خود حق ہے اور حق ہی کے مطابق فیصلے کرتا ہے چنانچہ فرمایا:

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ — کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟

(التین : ۸)

اسی حقیقت کو ایک مقام میں اس نے اس طرح واضح فرمایا:

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ — کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر
مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ — کردیں گے؟ تمہیں کیا ہوا ہے، تم کیسا

(القلم : ۳۶) فیصلہ کرتے ہو؟

اسی لیے آیت لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کے فوراً بعد یہ بھی فرما دیا:

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ — اور اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بڑا

(ابراہیم : ۷) سخت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ اس حق و انصاف کے مطابق ہے جس کے ساتھ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا اور ایک چیز کو اسی جیسی دوسری چیز کے ساتھ جوڑتا ہے لہٰذا جس طرح شکر فضل میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اسی طرح ناشکری پہلے سے موجود نعمت کو بھی چھین لیتی ہے۔ اگر نتیجہ کو عمل سے مطابق کرنے کا قاعدہ جاری نہ ہوتا تو نہ اللہ تعالیٰ کسی خوب کار کو محبوب رکھتا اور نہ کوئی نیک آدمی نیکی کو اختیار کرتا۔ پس شکر کرنے والے پر نعمت کی زیادتی ایک حق واجب ہے، بالکل اسی طرح اس کے برعکس عمل یعنی ناشکری پر سزا کا ملنا بھی واجب ہے۔

حکمت سب سے بڑی نعمت ہے:

شکر کا جذبہ نعمت کی قدر پہچاننے سے پیدا ہوتا ہے۔ قدر پہچاننے کا مطلب نعمت کو اس کا ٹھیک مقام دینا اور جس مقصد کے لیے وہ دی گئی اسی مقصد میں اس کو استعمال کرنا ہے۔ نعمت کو استعمال میں نہ لانا بھی اس کو ضائع کرنا ہے لیکن اس کو اس کے مقصد کے خلاف استعمال کرنا اس کا زیادہ بڑا ضیاع اور شدید قسم کی ناشکری ہے جو شخص نعمت کی قدر پہچانتا ہے اور وجود، حیات، علم، خیر کی معرفت، متضاد عناصر میں امتیاز اور بھلائی کی طرف رغبت میں اس کی ترتیب سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ ان میں سب سے بڑی جلیل القدر نعمت حکمت کی نعمت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ	وہ جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے اور
الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا	جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر کا خزانہ ملا۔

(البقرۃ: ۲۶۹)

حکمت کی نعمت شکر گزار بندوں کو ملتی ہے:

یہ حکمت وہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے ہر ایک کو نہیں دی بلکہ وہ یہ نعمت اسی کو دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ اسی کو ملتی ہے جو شکر ادا کرے اور فطری ہدایت کی نعمتوں کو ٹھیک طرح استعمال کر کے اپنے آپ کو اس کا حق دار بنا لیتا ہے۔ فطری ہدایت اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو

دی ہے، جیسا کہ فرمایا:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا	ہم نے اس کو راہ سجھا دی۔ چاہے وہ شکر
وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الانسان: ۳)	کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس راستے پر کھڑا کر دیا ہے جو اس کو کمال تک پہنچانے والا ہے لہٰذا انسانوں میں سے جو اس فطری ہدایت کو استعمال میں لائیں گے اور شکر ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ فرمائے گا:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى	اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت کی راہ اختیار
(محمد: ۱۷)	کی اللہ نے ان کی ہدایت میں افزونی بخشی۔

اس کے برعکس جو لوگ فطری ہدایت کی نعمت کا جوا اتار پھینکیں گے اور اس پر عمل کرنے میں غلطی کریں گے تو وہ سیدھی راہ گم کر دیں گے اور بھٹک کر ہلاک ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا	رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت کی راہ دکھائی
الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ	لیکن انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا	دی تو ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو بھی
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (فصلت: ۱۷)	عذابِ ذلت کے کڑکے نے آدبوچا۔

پس ثمود نے جس طرح کی چیز پسند کی اسی کے مانند کا بدلہ ان کو دیکھنا پڑا، انہوں نے اپنی بری کمائی کا برا نتیجہ دیکھا کیونکہ نتیجہ فعل کے خلاف نہیں نکلا کرتا۔

باطل کے وجود کی بنیاد:

یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز سے اس کی ضد بھی پیدا کر لیتا ہے لیکن یہ وہ اپنی قدرت کی بدولت اپنی مخلوقات کی کسی مصلحت اور کسی حکمت کے لیے کرتا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اعمال کی مماثل جزا کے قاعدے کے ساتھ ساتھ ہدایت کی راہیں کشادہ اور گمراہی کا شیرازہ منتشر کر دیا کیونکہ رحمت وسیع تر اور حق باقی رہنے والی چیز ہے۔ باطل کا وجود حق کے خادم اور سایہ کے طور پر ہے۔ اگر اس کی یہ حیثیت نہ ہوتی تو اس کا وجود ناپید ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:

وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔

(الاعراف: ۱۵۶)

یہیں سے اللہ کے نام اللہ اور رحمان دونوں ہوئے۔ لہٰذا فرمایا گیا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ کہہ دو کہ اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے
اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی نام سے جس نام سے بھی پکارو سب اچھے
(الاسراء: ۱۱۰) نام اسی کے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ بلکہ ہم حق کو باطل پر دے ماریں گے تو وہ
فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ اس کا بھیجا نکال دے گا تو دیکھو گے کہ
(الانبیاء: ۱۸) وہ نابود ہو کے رہے گا۔

چنانچہ حق وہ ہے جس کا وجود واجب ہے، خواہ وہ قدیم ہو، جیسا کہ خداوند واحد وقہار ہے خواہ وہ حادث ہو۔ پس اس نے اپنی رحمت کے تقاضے سے ہمیں پیدا بھی کیا اور نعمتیں بھی عطا کیں۔

نفس انسانی میں خیر اور شر کے دو پہلو:

خلق کے دو پہلو ہیں۔ ایک تاباں دوسرا تاریک، ایک خیر دوسرا شر۔ تاباں اور خیر پہلو رب کی طرف نسبت کے پہلو سے ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ اس نے جو چیز بھی بنائی ہے خوب ہی
(السجدہ: ۷) بنائی ہے۔

اس پہلو سے خلق شر نہیں ہوتی۔ رہا دوسرا پہلو تو وہ نفس کی طرف نسبت سے ہوتا ہے۔ چونکہ وہ حق کا غیر ہے، اس کا یہ غیر ہونا شر ہے۔ لہٰذا شر سے بھاگنا واجب ہوا اور ہمیں عمومی طور پر خلق کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی۔ فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (الفلق: ۱،۲) — کہہ میں پناہ مانگتا ہوں نمودار کرنے والے خدا کی ہر اس شے کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔

شر کے وجود کی مصلحت :

اللہ تعالیٰ نور ہے جیسا آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) میں فرمایا۔ وہ نور کی پرورش کرتا ہے۔ اس نے تاریکی کو پیدا کیا تو کسی مصلحت سے پس تاریکی کسی دوسری چیز کی خاطر پیدا کی گئی، جیسا کہ فرمایا:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (الانعام: ۹۶) — وہی برآمد کرنے والا ہے صبح کا اور اس نے رات سکون کی چیز بنائی۔

معلوم ہوا کہ رات اپنی تاریکی کی خاطر نہیں بلکہ ایک مصلحت کی خاطر پیدا کی گئی۔ چونکہ اللہ خلق کا رب ہے لہٰذا وہ اس کو بڑھاتا ہے اور اس کی نشوونما کرتا ہے۔ رہی تاریکی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس خیر کے لیے مہلت دیتا ہے جو اس نے اس کے اندر رکھ دی ہے۔ اگر وہ اس کو مٹانے میں جلدی کر کے اس کو مٹا دے تو وہ مصلحتیں بھی جو اس میں سے برآمد ہو رہی ہیں، مٹ جائیں گی اور اس طرح خیر کا وہ پہلو مٹ جائے گا جس کی وہ نشوونما فرماتا اور جس کو ظاہر کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النحل: ۲۵) — وہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ خدا چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ (الکہف: ۵۸) — اور تمہارا رب بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیتا

اس سے بھی زیادہ وسعت کے ساتھ یہ مضمون یوں ادا ہوا ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا	اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش
كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا	میں فوراً پکڑ تا تو زمین کی پشت پر ایک
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ	جاندار کو بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (فاطر: ۴۵)	معین مدت تک مہلت دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے عرصۂ حیات کا تعین اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے اندر جو خیر مخفی ہے اس کو وہ ظاہر کر دے۔ یہ تمام تر عاقل و مختار نفس کی تربیت کے لیے ہے کیونکہ ایسے نفس کی مثال وہ پھول ہیں جو ان پودوں پر اگتے ہیں اور وہ جواہر ہیں جو ان پتھروں میں پائے جاتے ہیں۔ حکمت اس کی دولت ہے اور وہ اس دولت کے پانے کے لیے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو سزا دینے میں جلدی کرنا چاہتا تو اس کو ہلاک کرتا اور اس طرح وہ ساری مخلوق کو بھی ہلاک کر دیتا جو انسان کی مدد کے لیے پیدا کی گئی۔ چونکہ اس نے ایسا کرنا پسند نہیں کیا اس کے لیے یہ ضروری ہوا کہ اپنی ہر مخلوق کو مہلت حیات دے کیونکہ وہ انسان کے نفع کے لیے ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا	اس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا
(البقرہ: ۲۹)	جو زمین میں ہے۔

اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا	شاہد ہے آفتاب اور اس کا چڑھنا اور چاند
تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَالَّيْلِ	جب اس کے پیچھے لگے اور دن جب اسے
اِذَا يَغْشٰهَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا	چمکا دے اور رات جب اسے ڈھانک
وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا وَنَفْسٍ	لے اور شاہد ہے آسمان اور جیسا کچھ اس
وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا	کو اٹھایا اور زمین اور جیسا کچھ اس کو
فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا	بچھایا اور نفس اور جیسا کچھ اس کو سنوارا
(الشمس: ۱-۸)	پس اس کو سمجھ دی اس کی بدی اور نیکی کی۔

یہاں نفس اوراس کے اختیار کو آخری مقصد کے طور پر بیان کیا ہے۔ بالکل اسی طرح انسان کی تخلیق سب سے آخر میں اس وقت کی گئی جب دوسری تمام کائنات وجود میں آچکی تھی۔ جس طرح خلق دو پہلو رکھتی ہے اسی طرح خداوند تعالیٰ نے اس کے اندر فلاح کے اسباب کو استعمال کرنے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کے الفاظ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ ان الفاظ کے بعد خلقت میں تاریکی کے پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے۔

حکمت رحمت کی تکمیل ہے:

پس نتیجہ یہ نکلا کہ رحمت کا وجود لازمی ہے، یہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ وجود میں رحمت کا ہونا واجب ہے، اس کے بغیر وہ باطل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت ہی کے باعث خلق کا مقصود اور اس کی ہدایت رحمت ہی کو بنایا ہے۔ اس نے انسانوں پر انعام کیا اور اپنی رحمت کی تکمیل کی۔ اس کی تمام نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت حکمت ہے جو تمام امور کی شیرازہ بندی کرتی ہے اور اسی کے سہارے آسمان و زمین قائم ہیں۔ پس حکمت ہی آغاز، درمیان اور انجام ہے۔ یہی حقیقی رحمت، نعمت اور لذت ہے۔ یہی خواہشات کی ناپاکی کی طہارت اور ظلوم وجہول اور برائی پر اکسانے والے نفس کی آلودگیوں کا تزکیہ ہے۔ اسی کی تعلیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے۔ اس نے انسانوں کو درجہ بدرجہ بلند کیا حتیٰ کہ علم لدنی کے حامل، کمال انسانی کی غایت، خاتم الرسل نبی اُمّی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کو محکم کیا۔ اس نے حکمت کی تعلیم کو آپ کے ہاتھوں کامل کیا اور آپ کا نام احمد اور محمد رکھا۔ چونکہ جس کو سب سے بلند و برتر نعمت سے نوازا جائے وہ رب کی انتہائی حمد کرتا ہے لہٰذا حضور کئی لحاظ سے محمد ہو گئے۔

خلاصۂ مباحث:

حکمت کے ان مباحث سے میں نے جو بات واضح کرنی چاہی ہے، اپنے قارئین کو سمجھانے کی غرض سے میں اس کے نکات دوسرے قالب میں بیان کرتا ہوں۔ یہ نکات اس طرح ہیں:

۱۔ حکمت کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی اصل کیا ہے اور فرع کیا ؟

۲۔ مرتبہ اور زمانہ کے لحاظ سے اس کا مقام کیا ہے ؟

۳۔ عقائد اور اعمال کی صحت کا دارومدار حکمت پر ہے۔

۴۔ حکمت عقائد اور اعمال کو مرتب کر دیتی ہے، ہر چیز کو اس کا جائز مقام دیتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ واضح کرتی ہے۔ لہٰذا یہ تمام علوم اور اعمال کا نظام اور ان کو وجود میں لانے کا ذریعہ ہے۔ حکمت کے بغیر دین کا زیادہ تر حصہ غائب ہو جاتا ہے بلکہ خالی صورت کے سوا اس میں کچھ نہیں بچتا۔ حتیٰ کہ کبھی وہ اس طرح پارہ پارہ ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں رہ جاتی جس پر دین کے نام کا اطلاق کیا جا سکے، چنانچہ دین کی جگہ انکار اور ایمان کی جگہ کفر لے لیتا ہے۔

۵۔ اس کتاب میں ہمارے پیش نظر جو اہم مطالب ہیں ان میں ہم عقائد کی ترتیب اور ان کی باہمی نسبت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح اعمال کی وضاحت بھی کرنا چاہتے ہیں تاکہ عمل کا طریقہ ہموار ہو اور عقائد صحیح اور محکم ہوں۔ ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکمت لے کر آئے اور جس کی آپ نے تعلیم دی اس کا مقصود اصلی یہی تھا۔

علوم القرآن کے پرانے شمارے

ششماہی علوم القرآن کے پہلے شمارہ کے لیے مستقل خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ اسٹاک میں اس شمارہ کی کاپیاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ادارہ ان فرمائشوں کی تعمیل سے قاصر ہے۔ اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ اگر کوئی صاحب ازراہ کرم شمارہ اوّل ادارہ کو عنایت فرمائیں تو ان کی خدمت میں علوم القرآن کا تازہ شمارہ پیش کیا جائے گا۔

بقیہ شماروں کی کچھ کاپیاں دستیاب ہیں۔ خواہش مند حضرات اس سلسلہ میں ادارہ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔